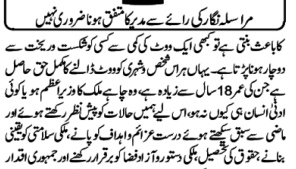

اقوال زرّیں

☐ خوشحالی لانے والی سات چیزیں: قرآن کریم کی تلاوت، نماز کی پابندی، اللہ کا شکر ادا کرنا، مجبور کی مدد کرنا، گناہوں سے توبہ، عزیزوں سے اچھا سلوک، صبح کے وقت سورۃ یٰسین اور شام کے وقت سورۃ واقعہ کی تلاوت۔
☐ اللہ کو ماننا اصل بات نہیں، کیوں کہ اللہ تو اپنی قدرت اور شان سے خود کو منوا لیتا ہے، اصل بات تو اللہ کو منا لینے میں ہے۔
☐ جس کا مددگار خدا کے علاوہ کوئی نہ ہو، خبردار! اس پر ظلم نہ کرنا۔
☐ عاجز ترین انسان وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز ہو۔
☐ عمدہ چیز حاصل کرنا کوئی خوبی نہیں، بلکہ اسے عمدہ طریقے سے استعمال کرنا خوبی ہے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

ای وی ایم کا آئینی جواز!

حکمراں سے حزب اختلاف تک الیکٹرانک ووٹنگ مشین (ای وی ایم) کو 'فول پروف' نہیں سمجھتی ہیں لیکن اس کے باوجود انتخاب میں ای وی ایم کا استعمال ہوتا ہے اور جیتنے والی سیاسی جماعت حکومت سازی کرتی ہے۔ دلچسپ بات تو یہ بھی ہے کہ آج حزب اختلاف کی جو سیاسی جماعتیں ای وی ایم کے استعمال نہ کیے جانے کا اصرار کررہی ہیں جب وہ حکومت میں تھیں تو انہوں نے بھی ای وی ایم پر ہی اعتماد ظاہر کیا تھا اور آج کی حکمراں جماعت نے اس کی مخالفت کی تھی۔ ای وی ایم کی مخالفت اور حمایت کا یہ منظر نامہ بدلتا رہتا ہے۔ اس بدلتے منظر نامہ میں کوئی چیز برقرار رہتی ہے تو وہ ہے ای وی ایم سے چھیڑ چھاڑ کا الزام۔ یہ الزام کم وبیش تمام سیاسی جماعتیں لگاتی ہیں اور معاملہ عدالت تک بھی پہنچتا رہا ہے۔ لیکن اب اس معاملہ میں ایک نیا موڑ آ گیا ہے۔ اس بار الیکٹرانک ووٹنگ مشین کے آئینی جواز کو ہی چیلنج کیا گیا ہے اور عدالت عظمیٰ نے اس پر سماعت کیلئے رضامندی بھی ظاہر کردی ہے۔ عدالت نے عوامی نمائندگی قانون کی دفعہ 61اے کے آئینی جواز کو چیلنج کرنے والی مفاد عامہ کی عرضی کو فہرست میں شامل کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

عوامی نمائندگی قانون کی اس دفعہ کی وجہ سے ہی ملک میں انتخابات کیلئے بیلٹ پیپر کے بجائے الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں متعارف کرائی گئی تھیں۔ چیف جسٹس این وی رمنا کی سربراہی والی بنچ نے وکیل ایم ایل شرما کے دلائل کی سماعت کی اور کہا کہ وہ اس معاملہ کو مقدمات کی فہرست میں شامل کرنے پر غور کرے گی۔ اپنی حیثیت میں یہ عرضی دائر کرنے والے عدالت عظمیٰ کے وکیل ایم ایل شرما کا کہنا ہے کہ عوامی نمائندگی قانون کی دفعہ 61اے پارلیمنٹ نے منظور نہیں کی تھی اس لیے اسے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ وکیل ایم ایل شرما کا کہنا ہے کہ پانچ ریاستوں اترپردیش، منی پور، اتراکھنڈ، گوا اور پنجاب میں ہونے والے اسمبلی انتخابات کے پیش نظر مفاد عامہ کی عرضی کی سماعت ضروری ہے۔ نیز یہ کہ انتخابات بیلٹ پیپر کے ذریعے ہی کرائے جانے کا التزام کیا جائے۔

الیکٹرانک ووٹنگ مشین کے استعمال کی ابتدا سے اب تک کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ہر انتخاب میں ای وی ایم وجہ نزاع بنا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی مایاوتی نے کہا تھا کہ اگر بی جے پی سرکاری مشینری کا غلط استعمال نہیں کرتی ہے اور ای وی ایم میں ہیرا پھیری نہیں کرتی ہے تو بی جے پی یہ الیکشن ہار جائے گی۔ ای وی ایم پر سوال اٹھانے والوں میں خود کانگریس، سماج وادی پارٹی، ترنمول کانگریس حتیٰ کہ بھارتیہ جنتا پارٹی بھی شامل ہیں جو موقع بموقع ای وی ایم سے چھیڑ چھاڑ کے الزامات لگاتی رہی ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے انتہائی قدآور لیڈر اور سابق نائب وزیراعظم لال کرشن اڈوانی نے تو 2009 کی اپنی ایک پریس کانفرنس میں یہ اعتراف کیا تھا کہ ای وی ایم فول پروف نہیں ہیں اور مشینوں سے چھیڑ چھاڑ سے انتخابات متاثر ہوسکتے ہیں۔ بی جے پی کے ہی ایک لیڈر جی وی ایل نرسمہا راؤ نے ای وی ایم سے چھیڑ چھاڑ اور اس کے ذریعہ ہونے والی مبینہ دھاندلی ثابت کرنے کیلئے باقاعدہ ایک کتاب تک لکھی تھی اور اس کا نام ہی رکھا تھا 'ڈیموکریسی ایٹ رسک ڈیو ٹو ای وی ایمز' یعنی 'الیکٹرانک ووٹنگ مشین کی وجہ سے جمہوریت کو لاحق خطرہ'۔

حکمراں اور حزب اختلاف دونوں ہی کی جانب سے جب ای وی ایم پر تنازع اور شک وشبہ پیدا کیا جارہا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عوام کے دل مطمئن ہوں اور انہیں یقین ہوجائے کہ ان کا ووٹ اسی کو مل رہا ہے جس کیلئے وہ ای وی ایم کا بٹن دبا رہے ہیں۔ جمہوریت میں انتخاب اور ووٹنگ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ عوام کسی خاص سیاسی جماعت یا فرد پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اور انہیں حکومت سازی کا اختیار سونپتے ہیں۔ جب انتخاب کا یہ عمل ہی مشکوک ٹھہرتا ہو اور اسے مشکوک ٹھہرانے میں خود سیاسی جماعتیں پیش پیش ہوں تو بہتر ہے کہ انتخاب کے اس عمل پر ہی از سرنو غور کیا جائے۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ ماضی کی طرف لوٹتے ہوئے بیلٹ پیپر کا ہی استعمال کیا جائے جیسا کہ امریکہ اور یوروپ کے دوسرے ممالک میں ہورہا ہے۔

ویسے بھی اب ای وی ایم کے آئینی جواز کو ہی چیلنج کردیا گیا ہے اور عدالت بھی اس پر غور کرنے کیلئے تیار ہوگئی ہے۔ آئندہ ہونے والی پانچ ریاستوں کے اسمبلی انتخابات کے تناظر میں یہ معاملہ انتہائی سنگین ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عرضی گزار اپنے دعوؤں اور دلیل سے عدالت کو قائل کرپاتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ تو طے ہے کہ ای وی ایم کا تنازع ایک نیا رخ لے چکا ہے اور اس سلسلے میں جلد از جلد کوئی ایسی کارروائی ہونی چاہیے جس پر تمام فریق متفق ہوجائیں۔

edit2sahara@gmail.com

اسلاموفوبیا کے عہد میں مسلم لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ

عبدالماجد نظامی

حجاب پر پابندی کے سلسلہ میں ان دنوں کرناٹک کا ایک کالج لگاتار سرخیوں میں ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ طویل مدت سے ہندوستانی مسلمانوں پر یہ بیجا اور بے بنیاد الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ مسلم لڑکیوں کو جدید تعلیم سے آراستہ ہونے کا موقع اس لیے فراہم نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ خود اسلامی عقیدہ اس راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ اسلام پر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس دین نے ایمان وعقیدہ کے مسائل بیان کرنے سے بھی قبل تعلیم کے حصول کو ترجیح دی ہو، اس پر ایسا الزام لگادیا جائے۔ ویسے یہ واہمہ کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہی مسلم بچیوں کو جدید تعلیم سے آراستہ ہونے سے روکتا ہے، اس کا آغاز انگریزی سامراج کے عہد میں ہوا تھا لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس برطانوی سامراج کے خلاف جنگ لڑنے والے ہندوستان کے نام نہاد "روشن خیال" لیڈران نے بھی اس سامراجی نظریہ کو قبول کرلیا اور اسی فکر کے حامل بن گئے۔ وہ ماننے لگے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہی مسلم بچیوں کو جدید تعلیم سے آراستہ ہونے میں مانع ہے۔ ہمارے ان "روشن خیال" لیڈران نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ وہ اپنے طرز فکر کا معروضی جائزہ لیں اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اس خام خیالی کو دور کریں۔ اس مسئلہ کو میڈیا کے ذریعہ بھی لگاتار بڑھاوا دیا جاتا رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج اس کی بڑی قیمت مسلم بچیوں کو چکانی پڑ رہی ہے۔ آج جب کہ مسلم بچیاں جدید تعلیم کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں داخل ہوکر اپنی صلاحیت اور لگن کا ثبوت پیش کررہی ہیں تو انہیں ہر طرح سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ریاست کرناٹک کے اڈوپی ضلع میں دیکھنے کو مل رہی ہے جہاں اڈوپی کالج میں مسلم لڑکیاں اپنے بنیادی حقوق کی بازیابی کی لڑائی لڑ رہی ہیں۔ ان کے ساتھ بھید بھاؤ اور امتیازی سلوک صرف اس لیے روا رکھا جارہا ہے کیونکہ وہ اپنی جدید تعلیم پورے اسلامی تشخص کی رعایت کے ساتھ جاری رکھنا چاہتی ہیں۔ اڈوپی کالج نے مسلم لڑکیوں پر یہ پابندی عائد کر رکھی ہے کہ انہیں حجاب پہن کر کلاس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کالج انتظامیہ کے اس عمل سے واضح طور پر اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ اسلام پر یہ الزام لگانا کس قدر بے بنیاد اور بودا تھا کہ وہ اپنے ماننے والوں کو جدید تعلیم سے لیس ہونے کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے۔ جب کہ سچ یہ ہے کہ مسلم لڑکیوں پر ذہنی دباؤ بنایا جارہا ہے اور انہیں ان کے دین وایمان پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش ہورہی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تعلیمی ترقی کا سدباب ہورہا ہے اور انہیں فکری نشوونما کے مواقع سے محروم کیا جارہا ہے۔ ان کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ملک کے تمام دیگر طبقوں کی طرح اپنی تہذیب کی پاسداری کے ساتھ تعلیم وترقی کے مراحل طے کرنا چاہتی ہیں۔ اس کے برعکس اڈوپی کالج انہیں مجبور کررہا ہے کہ اگر وہ دوسری طالبات کی طرح زندگی میں کامیاب ہوکر ملک کی ترقی میں اپنا کردار نبھانا چاہتی ہیں تو انہیں اپنے ایمان وعقیدہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ ملک کے مختلف اسکولوں میں سوریہ نمسکار جیسے عمل کو اسٹوڈنٹس پر تھوپنے کے پیچھے بھی یہی منشا کارفرما نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا دستور ہند کی صریح خلاف ورزی کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے کیونکہ ہمارا دستور ہر شہری کو اپنے دین ومذہب پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ تو پھر یہ بیجا پابندی کیوں عائد ہو رہی ہے؟

روبرو

اڈوپی کالج کی مسلم طالبات کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ٹیچرس انہیں کلاس میں بیٹھنے کی اجازت صرف اس لیے نہیں دے رہی ہیں کیونکہ وہ حجاب لگا کر کلاس میں بیٹھنا چاہتی ہیں۔ الماس نامی ایک طالبہ کے بقول ان کی ٹیچر نے واضح الفاظ میں ان سے کہا تھا کہ انہیں تب تک کلاس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جب تک وہ اپنا حجاب اتار نہیں دیتی ہیں۔ کالج کی چھ مسلم طالبات حجاب کے مسئلہ پر احتجاج کر رہی ہیں اور انہیں اپنی کلاس کے باہر بیٹھنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ 31 دسمبر سے ہی انہیں غیر حاضر گردانا جارہا ہے جب کہ وہ روزانہ کالج جاتی ہیں اور کلاس کے باہر بیٹھتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا منفی اثر ان کے سالانہ حاضری ریکارڈ پر پڑے گا جس کی وجہ سے انہیں امتحان میں بیٹھنے سے محرومی کی صورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ یہ سیدھے طور پر ان کے کریئر کے ساتھ کھلواڑ کے مترادف ہے۔ امید افزا بات یہ ہے کہ مسلم طالبات اپنے حقوق کی بازیابی کے سلسلہ میں پر امید ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کالج انتظامیہ کو اپنی ضد چھوڑنی ہوگی کیونکہ حجاب پہننا ان کے عقیدہ کا حصہ ہے اور دستور ہند اس سلسلہ میں تحفظ فراہم کرتا ہے اور اسی لیے اس سے سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس کالج انتظامیہ کا کہنا ہے کہ ہم حجاب پہننے کی اجازت اس لیے نہیں دے سکتے کہ یہ کالج یونیفارم کا حصہ نہیں ہے۔ کالج کے ہیڈ روودرا گوڑا میڈیا میں یہ بیان دے چکے ہیں کہ وہ اسٹوڈنٹس کو حجاب پہننے کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ یہ یونیفارم کا جز نہیں ہے۔ ان کے بقول اس سلسلہ میں وہ وزارت تعلیم کی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں۔

اس پورے معاملہ کا سچ یہ ہے کہ ریاست کرناٹک میں جب سے بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار آئی ہے تب سے لگاتار اقلیتوں کے مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی حقوق پر تیشہ زنی کا کام کررہی ہے۔ تبدیلیٔ مذہب کے خلاف قانون سازی کا مسئلہ ہو یا سرکاری کالجوں تک میں مسلم طالبات کے حجاب پر پابندی کا معاملہ ہو ہر جگہ ہندوتو کے ایجنڈے کو قوت کے زور پر نافذ کرنے کا عام رواج ہوگیا ہے۔ اسی کالج میں چند دنوں قبل اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد کے ممبران بھگوا رومال پہن کر مسلم لڑکیوں کے حجاب پہننے کے خلاف اپنی تکثیری ذہنیت کا ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ کالج انتظامیہ کو اس سلسلہ میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا چاہیے تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ کالج انتظامیہ کو سمجھنا چاہیے کہ تعلیمی ادارے تنگ نظری پھیلانے کے مراکز نہیں ہوتے بلکہ ایک آزاد اور بے خوف ماحول میں فکر ونظر کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اڈوپی کالج پر بھی یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسٹوڈنٹس کی مذہبی حساسیت کا خیال رکھے اور حجاب پر پابندی کا سلسلہ ختم کردے۔ اسلاموفوبیا کا یہ مرض ہندوستان میں مغرب سے آیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب میں ایسی تنگ نظری کبھی نہیں رہی ہے۔ کالج انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ ہندوستانی تہذیب کی اس روشن تاریخ کی حفاظت کرے جس میں مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنا معیوب سمجھا جاتا رہا ہے اور اسی لیے 'سروودھرم سمبھاؤ' کو یہاں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ یہی ملک سے سچی محبت کی دلیل ہوگی۔

(مضمون نگار راشٹریہ سہارا اردو کے گروپ ایڈیٹر ہیں)

abdul.nizami@sahara.in

> تعلیمی ادارے تنگ نظری پھیلانے کے مراکز نہیں ہوتے بلکہ ایک آزاد اور بے خوف ماحول میں فکر ونظر کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اڈوپی کالج پر بھی یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسٹوڈنٹس کی مذہبی حساسیت کا خیال رکھے اور حجاب پر پابندی کا سلسلہ ختم کردے۔ اسلاموفوبیا کا یہ مرض ہندوستان میں مغرب سے آیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب میں ایسی تنگ نظری کبھی نہیں رہی ہے۔ کالج انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ ہندوستانی تہذیب کی اس روشن تاریخ کی حفاظت کرے جس میں مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنا معیوب سمجھا جاتا رہا ہے۔

حقوق انسانی کی پاسداری پر ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ

محمد حنیف خان

حقوق انسانی کی تنظیمیں وقتاً فوقتاً دنیا کی حکومتوں اور اہل اقتدار کو آئینہ دکھاتی رہتی ہیں، ان کو یہ آئینہ دکھایا جانا اس لیے ضروری ہوتا ہے تاکہ ان کے قول وفعل کا تضاد ان کے سامنے آتا رہے اور وہ خود سے شرمسار ہوکر عوام کے لیے کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔ حکومت اور اعیان حکومت ہمیشہ صرف اپنی پیٹھ تھپتھپاتے ہیں، وہ کبھی اپنی غلطیوں، کمیوں اور خامیوں کو اجاگر نہیں کرتے، اس کے برعکس وہ عوام کے پیسے سے عوام کے درمیان یہ تشہیر کرتے ہیں کہ وہ تو ان کے لیے وقف ہیں اور صرف ان کی ہی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے ہیں، اس ضمن میں اگر ہندوستان کی حکومت کو دیکھا جائے تو اس نے اس طرح کے اشتہارات پر سب سے زیادہ رقم خرچ کی ہے، خاص طور پر اترپردیش میں اس جانب سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور اشتہارات کی ایک سیریز جاری کی گئی جس کا عنوان تھا 'فرق صاف ہے'۔ ایک انٹرویو میں ڈپٹی سی ایم نے اس عمل کو بھی 'جن کلیان کاری' بتانے سے پرہیز نہیں کیا۔ اس کے برعکس حقوق انسانی تنظیمیں حکومتوں کو آئینہ دکھاتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کس طرح وہ عوامی جذبات وضروریات کو درکنار کرتے ہوئے اپنے ایجنڈے کا نفاذ کرتی ہیں۔

ہیومن رائٹس واچ کی حقوق انسانی سے متعلق عالمی رپورٹ 2022 منظر عام پر آچکی ہے، جس میں اس نے دنیا کے سو ممالک کو اپنے مطالعے اور تجزیے کا موضوع بنایا ہے۔ اس رپورٹ میں اقلیتوں، حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والوں، حکومت سے اختلاف کرنے اور اس کی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کرنے والوں کے خلاف حکومت کی کارروائیوں کو بیان کرکے حکومت کی عوام مخالف پالیسیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح حکومتیں ان کے حقوق سلب کر رہی ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ نے اپنی 32ویں رپورٹ میں ہندوستان کی مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی قلعی کھولی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ کس طرح دونوں نے مل کر انسداد دہشت گردی ایکٹ استعمال کرکے مخالفین کی زبانیں بند کی ہیں۔ اقلیتوں کے ضمن نے اس رپورٹ میں مسلمانوں کے ساتھ حکومت کے رویے کو بالخصوص بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح دائیں بازو کی انتہا پسند تنظیموں اور بی جے پی کارکنان کے ذریعہ مسلمانوں پر حملے اور ان کو زدوکوب کیے جانے پر پولیس کی ناکامی کو اجاگر کرتے ہوئے اسے حکومت کی منشا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

رپورٹ میں کشمیر اور آسام کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح کشمیر میں حقوق انسانی کی پامالی کی گئی ہے جبکہ حکومت یہ کہہ کر اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہے کہ اب وہاں دہشت گردی کے واقعات رونما نہیں ہو رہے ہیں۔ 19 ماہ تک انٹرنیٹ پر پابندی، سید علی شاہ گیلانی کے انتقال کے بعد نقل وحرکت پر پابندی اور دو دن تک ہر طرح کے ذرائع ابلاغ اور رابطے پر پابندی کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے جسے حقوق انسانی کی خلاف ورزی کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ اشرف صحرائی کی کسٹڈی میں موت پر اقوام متحدہ ہیومن رائٹس کے ذریعہ جولائی میں حکومت کو خط لکھا گیا تھا کہ اس کی فوری جانچ کرائی جائے، اسی طرح جموں و کشمیر کے سیاسی لیڈران کی نظربندی کو بھی حقوق انسانی کی خلاف ورزی تصور کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں اس دوران کشمیر میں جو بھی اہم واقعات ہوئے اور ان میں عوام کو دبانے اور انسانی حقوق کو سلب کرنے کی کوشش کی گئی، اسے اس رپورٹ میں شامل کیا گیا ہے، جس میں کشمیر میں صحافیوں پر پابندی اور ان کے خلاف تشدد وغیرہ بھی شامل ہے۔ حکومت کو کشمیر کے ضمن میں یہ رپورٹ ضرور دیکھنا چاہیے تاکہ جن باتوں کو وہ 'قومی تحفظ' اور ملک کی سلامتی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتی ہے، اس کو معلوم ہو کہ دراصل یہ حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے۔ اسی طرح رپورٹ میں آسام اور جنوب مشرقی ریاستوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے جہاں 27 قتل کیے گئے جبکہ 40 سے زائد زخمی ہوئے، مسلمانوں کی بستیاں اجاڑی گئیں، مسجدیں جلائی گئیں، پولیس کے سامنے ہندوتوا وادی تنظیموں اور ان کے کارکنان نے زدوکوب کیا اور وہ نہ صرف خاموش تماشائی بنی رہی بلکہ ان کا ساتھ بھی دیا۔ پولیس ایکشن میں آسام میں ایک مسلمان کی موت اور اس کی لاش پر ایک متشدد فوٹوگرافر کے رقص کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح اس پورے علاقے میں پولیس کے طریق کار اور اقلیتوں کے

دو ٹوک

جان و مال کے نقصان کی جانچ کرنے والے وکلا پر جس طرح یو اے پی اے کا نفاذ کیا گیا، اس کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہندوستان کے نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن نے 2021 میں پولیس کسٹڈی میں 143 اموات 104 ماورائے عدالت قتل کے کیس درج کیے ہیں۔ یہ اعداد وشمار ایک جمہوری ملک میں وہاں کے طرز حکومت کی گواہی دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس طرح حکومت نے پولیس کو چھوٹ دے رکھی ہے اور یہ چھوٹ یوں ہی نہیں دی گئی ہے بلکہ اس میں وہ خود شامل ہے، جس کی سب سے بہترین مثال کانپور کا بکرو معاملہ ہے جس میں پولیس نے ملزم کی موت کو مڈبھیڑ بتایا اور آج تک 'گاڑی پلٹنے کا بیانیہ' کسی بھی مخالف کو ڈرانے کے لیے چلایا جاتا ہے۔ عدالتیں بھی اس طرح کے معاملے میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے ان کاغذی شہادتوں کو ہی تسلیم کرتی ہیں جو حکومت اور پولیس پیش کرتی ہے، حالانکہ عدالتوں کو بھی معلوم ہے کہ اس طرح کی شہادتیں تیار کرنا اور اپنے مطابق جانچ کی رپورٹ لینا حکومتوں کے لیے مشکل نہیں ہے۔

رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح حکومتوں نے تعزیرات ہند کی دفعہ 197 کو عمل میں لاتے ہوئے پولیس اہلکاروں کے خلاف کارروائی نہیں کی کیونکہ اس سیکشن کے مطابق ان کے خلاف کارروائی کے لیے حکومت کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ضمن میں 2004 میں عشرت جہاں معاملے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ مارچ میں گجرات حکومت نے تین پولیس اہلکاروں کے خلاف مقدمہ اور کارروائی کی اجازت نہیں دی۔

رپورٹ کے مطابق حکومت اعتراض اور اختلاف کو پسند نہیں کرتی ہے، ایسا کرنے والوں کے خلاف اس نے شتر بے مہار کی طرح اپنی ایجنسیوں کا استعمال کیا ہے، اس کے ذریعہ اس نے ڈرا دھمکا کر زبانیں خاموش کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح متعدد دفعات کے تحت مقدمے درج کرکے لوگوں کو زبان کھولنے سے روکا گیا ہے، اس ضمن میں اسٹینڈ اپ کامیڈین منور فاروقی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، جن پر الزام تھا کہ انہوں نے دیوی دیوتاؤں کی توہین کی ہے۔ رپورٹ میں بی جے پی، بجرنگ دل، وشو ہندو پریشد وغیرہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس رپورٹ میں نشانہ بنائے گئے صرف مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ ہندوستان میں اس وقت مسلمان ہی ان کے نشانے پر ہیں، اس لیے ان کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ عیسائیوں، دلت، قبائلی اور دیگر مذہبی اقلیتوں پر ہونے والے مظالم کو بھی موضوع بنایا گیا ہے، ان کو بھی رپورٹ میں شامل کیا گیا ہے۔

حکومت نے 'سب کا ساتھ سب کا وکاس اور سب کا وشواس' کا نعرہ دیا ہے لیکن یہ نعرہ ابھی تک نعرے سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، کیونکہ بی جے پی کی حکومتیں خواہ مرکزی ہو یا ریاستی ایک خاص ایجنڈے پر چل رہی ہیں، وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اقلیتوں اور راہ میں آنے والے ہر فرد و جماعت کو ٹھکانے تو لگا ہی رہی ہیں، اس کے ساتھ ہی وہ سماج سے آپسی محبت اور رواداری کو بھی بے دردی سے ختم کر رہی ہیں، جو مستقبل کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہے، اسی طرح مشنری کا غلط استعمال کرکے اس پورے نظام کو تباہ کیا جارہا ہے جو ایک انسانی معاشرے کی بھلائی کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے افراد جو اپنے ایجنڈے کے لیے ملک وعوام کو برباد اور وسائل کو تباہ کر رہے ہوں ان کو ہر موقع پر سبق سکھایا جائے اور بتایا جائے کہ ہندوستان کی مٹی میں محبت، رواداری، انصاف اور حقوق انسانی کی پاسداری ہے۔

haneef5758@gmail.com

> ہیومن رائٹس واچ کی حقوق انسانی سے متعلق عالمی رپورٹ 2022 منظر عام پر آچکی ہے، جس میں اس نے دنیا کے سو ممالک کو اپنے مطالعے اور تجزیے کا موضوع بنایا ہے۔ اس رپورٹ میں اقلیتوں، حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والوں، حکومت سے اختلاف کرنے اور اس کی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کرنے والوں کے خلاف حکومت کی کارروائیوں کو بیان کرکے حکومت کی عوام مخالف پالیسیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح حکومتیں ان کے حقوق سلب کر رہی ہیں۔

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

اترپردیش میں پرچۂ نامزدگی شروع

مکرمی!

ملک کی پانچ ریاستوں اترپردیش، پنجاب، گوا، اتراکھنڈ اور منی پور کے اسمبلی انتخابات کی تاریخوں کا اعلان ہوچکا ہے۔ اترپردیش کی 403 نشستوں کیلئے 7 مرحلوں میں رائے دہی ہوگی اور منی پور جیسے چھوٹے علاقہ کیلئے 2 مرحلوں میں ووٹنگ۔ وہیں پنجاب حکومت کے اسرار پر رائے دہی 14 فروری کے بجائے 20 فروری کو کرانے کے لیے الیکشن کمیشن راضی ہوگیا ہے۔ اترپردیش کے پہلے مرحلے کی ووٹنگ جو 10 فروری کو طے ہے، اسی سلسلے میں پرچۂ نامزدگی داخل کرنے کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ ایک پارٹی کے امیدوار جب پرچۂ نامزدگی کے بعد میڈیا سے روبرو ہوئے تو انہیں موجودہ صدر جمہوریہ اور گورنر کا نام ہی معلوم نہیں تھا۔ اب ایسے لوگ ریاستی عوام کیلئے کیا کرسکتے ہیں؟ 2014 کے عام انتخابات کے وقت عوام کو یہ اطلاعات تھیں کہ لوک سبھا کی نمائندگی کرنے والے 50 فیصد ممبران کے خلاف سنگین نوعیت کے معاملات زیر التوا ہیں جس کا ان لوگوں نے پرچۂ نامزدگی میں اعتراف کیا۔ 2019 میں اس میں مزید اضافہ ہوا اور اب تقریباً 75 فیصد منتخب ممبران کے خلاف معاملات درج ہیں۔ عوام سے بالخصوص اقلیتوں سے التماس ہے کہ جوش کے بجائے ہوش سے کام لیں اور اپنا قیمتی ووٹ ضائع ہونے نہ دیں، کیونکہ فاشسٹ سیاسی جماعتیں ووٹ منتشر کرنے کے مسلسل فراق میں ہیں۔

سید اسحاق– سعودی عرب

ہمارا ووٹ - ہماری طاقت

مکرمی!

وطن عزیز ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری نظام حکومت کا حامل ملک ہے، ووٹنگ سسٹم جس کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ حکومت بنتی و بدلتی ہے، انتخاب عمل میں آتا ہے۔ جمہوری ملک میں ایک ایک ووٹ کی بڑی اہمیت وقدر و قیمت ہے، بسا اوقات ایک ووٹ کی برتری کسی کی جیت کا باعث بنتی ہے تو کبھی ایک ووٹ کی کمی سے کسی کو شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہاں ہر اس شخص وشہری کو ووٹ ڈالنے کا مکمل حق حاصل ہے جن کی عمر 18 سال سے زیادہ ہے، وہ چاہے ملک کا وزیراعظم ہو یا کوئی ادنیٰ انسان ہی کیوں نہ ہو، اس لیے ہمیں حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے درست عزائم واہداف کو پانے، ملکی سلامتی کو یقینی بنانے، حقوق کی تحصیل، ملکی دستور و آزاد فضا کو برقرار رکھنے اور جمہوری اقدار کے تحفظ، بقا اور استحکام کیلئے ووٹ کے حق کا ضرور استعمال کرنا ہے، تاکہ ملک کی باگ ڈور امن پسند افراد کے ہاتھوں میں رہے اور ضلع و ریاست کے مناصب پر صحیح وباشعور انسان براجمان ہوں، جس سے کہ ہمارا پیارا سا ملک دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہے اور فاشسٹ عناصر اور تخریب کاروں سے محفوظ رہے۔ عوام سے بصد احترام اپیل ہے کہ آپ کسی نوع کے شش وپنج کا شکار نہ ہوں، بلکہ یہ مصمم عزم رکھنے کی ضرورت ہے کہ دو-چار گھنٹے کی تکلیف برداشت کرکے لائن میں لگ کر ووٹ ضرور ڈالنا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہنا ہے۔

رفیق عالم ریاضی -ارریہ، بہار

ووٹرس اپنی اہمیت کو سمجھیں

مکرمی!

ووٹر کو اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کو سمجھنا ہوگا۔ ملک کی پانچ ریاستوں میں ہونے والے انتخابات ہر ووٹر کو اپنی عقل وشعور کو بروئے کار لاکر صحیح انتخاب کرنا چاہیے۔ ووٹروں کا صحیح انتخاب ملک کو شاہ راہ ترقی پر گامزن کرسکتا ہے کیوں کہ جب ریاستیں ترقی کریں گی تو ملک اپنے آپ ترقی کی راہ پر ہوگا۔ ہر ووٹ کی قیمت انمول ہے۔ یہ خیال کرنا خود کو پستی میں ڈالنے کے مترادف ہوگا کہ "ہمارے ایک ووٹ سے کیا بننے یا بگڑنے والا ہے۔" انتخاب کرتے وقت پارٹی اور پارٹی کے امیدوار کے پس منظر اور پیش منظر پر ایک نظر ضرور ڈالیں۔ نظر ڈالنے کے بعد جو آئیڈیالوجی پارٹی کی آپ کے سامنے آئے اگر اس سے متفق ہوں تبھی ووٹ کریں۔ بنیادی طور پر اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ شہریوں کی بنیادی سہولتیں اور ملک کی ترقی کی امیدیں جس سے زیادہ وابستہ ہوں، اسی کو ووٹ کریں۔ ہر اس پارٹی اور امیدوار کا بائیکاٹ کریں جو شہریوں کے مابین اشتعال انگیزی و جذباتیت اور فتنہ وفساد کو بڑھاوا دیں۔

محمد نورالزماں مظہری
چھترپور، مدھیہ پردیش

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس C-2,3,4، سیکٹر-11 نوئیڈا میں چھپوا کر اور 705-706، ساتویں منزل، نورنگ ہاؤس، 21 کے جی مارگ، نئی دہلی سے شائع کیا۔
For Sahara India Mass Communication Printed & Published by **Zia Qadri**, Printed at C-2, 3, 4, Sector-11, Noida and published from 705-706, VIIth Floor, Navrang House, 21 K.G. Marg, New Delhi
Chief Executive Officer & Editor in Chief : **Upendrra Rai** چیف ایگزیکیٹو آفیسر و ایڈیٹر ان چیف: اپیندر رائے
Resident Editor: **Md. Fakhre Imam** (fimam16@gmail.com) * ریزیڈنٹ ایڈیٹر: محمد فخر امام ■ Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com ■ **Advertisement (National):** ■ 0-9891773434, 9899452476, 9711050868 **Email:** adsahara@gmail.com
www.roznamasahara.com 0120-2598274: سرکولیشن، 0120-2444755,2598419 :ٹیلی فون نمبر نوئیڈا آفس، 011-23352369, 23352368: ٹیلی فون نمبر دہلی دفتر
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار ——— R.N.I. No.71627/99 Roznama Rashtriya Sahara (New Delhi) Regd.: UP/GBD-208/2021-2023 ——— شمارہ نمبر: 8062 سال: 22
روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار